Digitized by Khilafat Library Rabwah

روزنامہ
الفضل
ربوہ
ایڈیٹر: نسیم سیفی
فون: ۴۴۹
رجسٹرڈ نمبر ایل ۵۲۵۴

جلد ۷۸/۴۳ | بدھ ۲۰/ربیع الاول ۱۴۱۴ھ ' ۸ تبوک ۱۳۷۲ھش ' ۸ ستمبر ۱۹۹۳ء نمبر ۲۰۰

ارشادات حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ

انسان پر جیسے ایک طرف نقص فی الخلق کا زمانہ آتا ہے ' جسے بڑھاپا کہتے ہیں۔ اس وقت آنکھیں اپنا کام چھوڑ دیتی ہیں اور کان شنوا نہیں ہو سکتے۔ غرض کہ ہر ایک عضو بدن اپنے کام سے عاری اور معطل کے قریب قریب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سے یاد رکھو کہ پیرانہ سالی دو قسم کی ہوتی ہے۔ طبعی اور غیر طبعی۔ طبعی تو وہ ہے جیسا کہ اوپر ذکر ہوا۔ غیر طبعی وہ ہے کہ کوئی اپنی امراض لاحقہ کا فکر نہ کرے ' تو وہ انسان کو کمزور کر کے قبل از وقت پیرانہ سال بنا دیں۔ جیسے نظام جسمانی میں یہ طریق ہے ایسا ہی اندرونی اور روحانی نظام میں ہوتا ہے۔ اگر کوئی اپنے اخلاق فاسدہ کو اخلاق فاضلہ اور خصائل حسنہ سے تبدیل کرنے کی کوشش نہیں کرتا ' تو اس کی اخلاقی حالت بالکل گر جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد اور (کلام الٰہی) کی تعلیم سے یہ امر بداہت ثابت ہو چکا ہے کہ ہر ایک مرض کی دوا ہے لیکن اگر کسل اور سستی انسان پر غالب آجاوے تو بجز ہلاکت کے اور کیا چارہ ہے۔ اگر ایسی بے نیازی سے زندگی بسر کرے جیسی کہ ایک بوڑھا کرتا ہے ' تو کیونکہ بچاؤ ہو سکتا ہے۔

(ملفوظات جلد اول صفحہ ۸۶)

آزمائش کے مقام پر ثابت قدم رہیں

(حضرت امام جماعت احمدیہ الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ)

تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ آزمائش کے مقام پر ثابت قدم رہیں اور جب آزمائش کے مقام آئیں اور آپکی عزت اور انا کچلی ہوئی دکھائی دے جب کسی جماعتی فیصلہ کے نتیجہ میں آپ زخمی ہو جائیں اور آپ منہ چھپاتے پھریں کہ دنیا ہمیں کیا سمجھے گی۔ ہم تو اتنے بڑے بن کر جماعت میں ابھر رہے تھے اور آج ہمیں رسوا کر دیا گیا ہے۔ آج ہم سے چندے لینے بند کر دیئے گئے ہیں۔ آج ہمارے خلاف یہ اقدام کر دیا گیا ہے تو ہم کیا منہ دکھائیں گے۔ پس وہ منہ دکھانے کے بدلہ میں پھر اپنا گروہ تیار کرتے ہیں جماعت کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے اپنے حق میں باتیں کرتے ہیں اور آغاز میں (امام جماعت) پر حملہ نہیں کرتے۔ کہتے ہیں اس بے چارے کو کیا پتہ۔ وہ دور بیٹھا ہوا ہے یہ شیطان ہیں جنہوں نے جھوٹی باتیں پہنچائیں اور ان باتوں میں آکر یہ فیصلے ہو گئے اور اس طرح رفتہ رفتہ مقامی سطح پر دو گروہ بننے شروع ہو جاتے ہیں جو گروہ نظام جماعت کی تائید میں ہیں ضروری نہیں کہ ان میں جماعت کے سارے شامل افراد پوری طرح محفوظ مقام پر ہوں ان میں سے بھی بعض تائید کرتے ہیں مگر جتھہ بندی کی خاطر اور (دین) کے نتیجہ میں نہیں۔ چنانچہ ایسے لوگ بھی بعض دفعہ دوسری صورت میں آزمائے جاتے ہیں (سعی کرنا اپنی ذات میں کوئی چیز نہیں ہے جب تک سعی) خدا کی خاطر نہ ہو۔ پس خدا کے بندے وہی ہیں جو نظام جماعت کی

باقی ص ۷ پر

اپنے مولا کو ناراض مت کرو

اے عزیزو! تم تھوڑے دنوں کے لئے اس دنیا میں آئے ہو اور وہ بھی بہت کچھ گذر چکے۔ سو اپنے مولا کو ناراض مت کرو۔ ایک انسانی گورنمنٹ جو تم سے زبردست ہو اگر تم سے ناراض ہو تو وہ تمہیں تباہ کر سکتی ہے پس تم سوچ لو کہ خدا تعالیٰ کی ناراضگی سے کیونکر تم بچ سکتے ہو اگر تم خدا کی آنکھوں کے آگے متقی ٹھہر جاؤ تو تمہیں کوئی بھی تباہ نہیں کر سکتا۔

(حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ)

ELECTION 93

AHMADIYYA POSITION ON MINORITIES ELECTION

The schedule for election 1993, for National and Provincial Assemblies, including non-Muslims reserved seats has been notified and published in the National Press.

It is a well known and recorded fact that the Ahmadiyya community considers it against their conscience and faith to avail the Non-Muslim seats reserved for Ahmadis According to the Ahmadiyya belief any person who disassociates himself from the Holy Prophet Hazrat Mohammed (peace be upon him) ceases to be an Ahmadi upon such disassociation. It is for this reason that Jammat Ahmadiyya has throughout considered it against their faith and conscience to avail these seats.

The members of Jammat Ahmadiyya as Conscientious objectors have, therefore persistently declined to enlist themselves as voters, Since Ahmadis have not enlisted themselves as voters, there is no Ahmadiyya constituency and there cannot be any representative to represent them. During all previous elections this fact has been recorded time and again that Ahmadis do not wish to avail these seats.

The chief election commissioner was apprised of this situation personally by a delegation and through written representation. The fact has thus been recorded time and again that Ahmadis do not wish to avail these seats. Election of these seats is a negation of the very principle of representation, a violence to spirit of the constitution and an outrage to justice, fairplay and fundamental human rights.

Any person contesting on any of these seats as Ahmadi cannot represent the Ahmadis nor can Ahmadis accept him as their representative nor should he be declared as such.

Malik Khalid Masood
(Nazir Umoor-e-Aama)

SADAR ANJUMAN AHMADIYYA PAKISTAN, RABWAH

اس اعلان کے ذریعے ۱۹۹۳ء کے انتخابات میں اقلیتوں کے انتخاب کے سلسلے میں احمدیہ جماعت کی پوزیشن واضح کی گئی ہے۔ صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ کے ناظر امور عامہ ملک خالد مسعود نے کہا ہے کہ ۱۹۹۳ء کے انتخاب برائے قومی و صوبجاتی اسمبلیاں جس میں نان مسلم ریزرو نشستوں کا بھی ذکر ہے کا اعلان کر دیا گیا ہے اور اسے قومی پریس میں شائع کر دیا گیا ہے۔ یہ بات اچھی طرح جانی جاتی ہے اور یہ حقیقت

باقی ص ۲ پر

روزنامہ
الفضل
ربوہ

پبلشر : آغا سیف اللہ۔ پرنٹر : قاضی منیر احمد
مطبع : ضیاء الاسلام پریس ۔ ربوہ
مقام اشاعت : دارالنصر غربی ۔ ربوہ

قیمت
ایک روپیہ پچاس پیسے

۸ تبوک ۱۳۷۲ھش ۸ ستمبر ۱۹۹۳ء

Digitized by Khilafat Library Rabwah

حقیقی ذکر الٰہی

اگر ہر چیز جس غرض کے لئے پیدا کی گئی ہے اسے پوری کر رہی ہے تو کہا جاتا ہے کہ وہ ذکر الٰہی میں مصروف ہے۔ کیونکہ ذکر کا یہ مطلب نہیں کہ ہم صرف زبان سے اللہ اللہ کرتے رہیں۔ کہتے ہیں نام منہ میں رام رام اور بغل میں چھری۔ بغل میں چھری کا نہ ہونا اور پھر اللہ اللہ کرنا تو سمجھ آسکتا ہے کہ اخلاص کے ساتھ خدا کا نام لیا جا رہا ہے لیکن بغل میں چھری ہو تو انسان ہزار دفعہ رام رام کرے یا اللہ اللہ کرے اس کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ نقصان ہے۔ اپنے آپ کو بھی اور دوسروں کو بھی۔ کیونکہ یہ اپنے ساتھ بھی فریب ہے اور دوسروں کے ساتھ بھی دھوکا۔

اگرچہ زبان سے اللہ اللہ کرنا بھی ضروری ہے آخر زبان کا اثر دل پر پڑتا ہے اور اظہار ایک طرح اقرار ہوتا ہے۔ لیکن زبان سے اللہ اللہ کرنا اپنی جگہ اپنے جسم کے ہر روئیں سے اللہ کی آواز آنی چاہئے اور وہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ انسان ان کاموں میں مشغول ہو جن کے لئے اسے اللہ نے پیدا کیا ہے۔ ان کاموں پر غور کرے۔ اور ان پر عمل در آمد کرے۔

کھلے بندوں تو اکثر لوگوں کو اللہ اللہ کرتے دیکھا ہے۔ بعض اوقات کسی قدر اونچی آواز میں بھی لیکن اس میں تو ریاء بھی ہو سکتی ہے۔ ممکن ہے دوسروں پر اثر ڈالنے کے لئے ایسا کیا جا رہا ہو۔ اگر انسان خلوت میں جہاں اس کے اور اس کے خدا کے علاوہ کوئی نہ ہو اللہ اللہ کرے اور اللہ کو یاد کرے اور اپنے فریضہ کی ادائیگی کا تہیہ کرے تو یہ ہو گا حقیقی ذکر الٰہی۔

ہم میں سے ہر شخص اپنی خلوت کے لمحات کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے معمور رکھ سکتا ہے۔ اور وہ خدا جو ہمیں جسمانی آنکھوں سے نظر نہیں آتا جب یہ دیکھے کہ ہم جب کسی کو دیکھ نہیں رہے ہوتے نہ ہمیں کوئی دیکھ رہا ہوتا ہے تو اس کا ذکر کرتے ہیں یقیناً اس سے ہمارا خدا خوش ہو گا۔ اور ہماری سب سے بڑی خوش قسمتی اور سعادت یہی ہے کہ خدا ہم سے خوش رہے۔

تم واقفِ احوال ہو پھر بھی یہ گلہ ہے
چھپتا نہیں کیوں "فکرِ سخن" کیسی ادا ہے
میں داد بھی دیتا ہوں تو بن جاتی ہے بیداد
شائد یہ مری بے ہنری ہی کا صلہ ہے

ابو الاقبال

سینے کی تپش آتش سوزاں سے کہوں گا
طوفاں کا سبب دیدۂ گریاں سے کہوں گا

منزل تھی کٹھن آبلہ پاؤں پہ جو بیتی
حال ان کا کبھی خار مغیلاں سے کہوں گا

کیا کھویا ہے کیا پایا جہان گزراں سے
یہ سود و زیاں عمر گریزاں سے کہوں گا

کیا گزرے ہے آئینے پہ جب تو ہو مقابل
اک روز ترے دیدۂ حیراں سے کہوں گا

چھپتی نہیں اخبار میں ہر فکرِ سخن اب
یہ بات میں سیفی سے سخنداں سے کہوں گا

پوچھو ہو میرا حال؟ میرے حال کو چھوڑو
حال اپنا کسی دن کسی انساں سے کہوں گا

میجر منظور احمد

بقیہ صفحہ ۱

ریکارڈ پر لائی جا چکی ہے کہ احمدیہ جماعت نان مسلم سیٹوں پر جو احمدیوں کے لئے ریزرو کی گئی ہیں استفادہ کرنا اپنے ضمیر اور عقیدے کے خلاف سمجھتی ہے۔ احمدیہ عقیدے کے مطابق اگر کوئی شخص اپنے آپ کو رسول کریم ﷺ سے الگ کر لے تو وہ ایسا کرنے کی وجہ سے احمدی نہیں رہتا۔ اسی وجہ سے احمدی جماعت نے ہمیشہ ان سیٹوں سے استفادہ کرنا اپنے عقیدے اور ضمیر کے خلاف سمجھا ہے۔

احمدیہ جماعت کے افراد ضمیر کے objectors ہیں اس لئے انہوں نے ہمیشہ اس بات سے گریز کیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو بطور ووٹر درج کروائیں۔ چونکہ احمدیوں نے اپنے آپ کو ووٹروں کی فہرست میں درج نہیں کروایا۔ اس لئے احمدیہ کنسٹی چیوانسی کا کوئی وجود نہیں ہے اور کوئی شخص ان کا نمائندہ بن کر ان کی نمائندگی نہیں کر سکتا۔ اس سے پہلے ہونے والے تمام انتخابات میں یہ حقیقت ریکارڈ پر آچکی ہے اور بار بار آچکی ہے کہ احمدی ان سیٹوں سے استفادہ نہیں کرنا چاہتے۔

چیف الیکشن کمشنر کو ان حالات سے ذاتی طور پر ایک وفد کے ذریعے اور تحریری طور پر بھی آگاہ کر دیا گیا ہے۔ اس طرح یہ حقیقت بار بار ریکارڈ پر آچکی ہے کہ احمدیہ جماعت کے افراد ان سیٹوں سے استفادہ نہیں کرنا چاہتے۔ ان سیٹوں پر انتخاب نمائندگی کے اصول کی نفی ہے۔ کنسٹی ٹیوشن کی روح کی خلاف ورزی ہے۔ اور انصاف فیئر پلے اور بنیادی انسانی حقوق کے بھی خلاف ہے۔

کوئی احمدی جو ان سیٹوں پر انتخاب لڑے گا وہ احمدیوں کی نمائندگی نہیں کر سکتا اور احمدی بھی اسے اپنا نمائندہ نہیں مانیں گے۔ اور اسے ان کے نمائندے کے طور پر پیش نہیں کیا جانا چاہیئے۔

(روزنامہ ڈان کراچی ۴۔ ستمبر ۱۹۹۳ء)

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ہماری تاریخ

۱۹۴۷ء میں قادیان سے نقل مکانی کے بعد جماعت احمدیہ کا نیا مرکز آباد کرنے کے لئے چنیوٹ کے قریب دریائے چناب کے کنارے پر نیا شہر ربوہ آباد کیا گیا۔ اس کی ابتدائی آبادی کا مشاہدہ کرنے کے لئے لاہور سے اخبار نویسوں کا ایک گروپ آیا۔

ذیل میں دو اخبار نویسوں کے تاثرات درج کئے جاتے ہیں۔

روزنامہ "مغربی پاکستان" نے حسب ذیل الفاظ میں خبر شائع کی :-

"چنیوٹ سے چھ میل کے فاصلہ پر احمدیوں نے ایک شہر بنانے کا کام شروع کردیا شہر جدید طرز اور امریکی نوعیت کا ہوگا

ابتدائی سکیم کی تیاریاں

لاہور ۷ نومبر آج مرزا بشیرالدین محمود احمد امیر جماعت احمدیہ کی دعوت پر لاہور کے تمام اخبارات کی ایک پارٹی نے ربوہ کا دورہ کیا جو چنیوٹ سے چھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ جب پریس پارٹی ربوہ پہنچی تو وہاں پر سرکردہ اصحاب نے اخبارات کے نمائندوں کا خیر مقدم کیا۔ ربوہ کا وہ علاقہ دکھایا جہاں جدید طرز کا ایک چھوٹا سا شہر آباد کیا جائے گا۔ یہ جگہ چھوٹے چھوٹے ٹیلوں کے دامن میں ایک خوشنما قطعہ اراضی ہے۔

مرزا بشیرالدین محمود احمد نے اخبارات کے نمائندوں کو بتایا کہ جماعت احمدیہ نے حکومت مغربی پنجاب سے ایک ہزار سے کچھ زیادہ ایکٹر زمین خریدی ہے جہاں امریکی طرز پر ایک چھوٹا سا شہر تعمیر کیا جائے گا۔ ہسپتال، کالج، سکول، وٹرنری ہسپتال، ریلوے اسٹیشن، ڈاکخانہ، واٹر ورکس اور بجلی گھر لگانے کا بندوبست کیا جا چکا ہے۔ ماہرین تعمیرات نے شہر کی تعمیر کا ابتدائی نقشہ امریکی طرز پر تیار کر لیا ہے۔ جو عنقریب ٹاؤن پلینرز کی منظوری کے لئے ان کے ساتھ رکھ دیا جائے گا۔ اس شہر کی ضروری عمارتوں کی تعمیر پر تقریباً تیرہ لاکھ روپیہ صرف ہو گا جو جماعت برداشت کرے گی۔

مرزا صاحب نے مزید بتایا کہ وہ شہر کو اس قدر دلفریب اور جدید نوعیت کا بنانا چاہتے ہیں کہ پاکستان میں ایک نمونہ ہو اور حکومت بھی اس قسم کے شہران علاقوں میں تعمیر کرے جو فضول پڑے ہیں۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ پاکستان کو ایک بہترین خطہ ارضی بنایا جائے اور یہ اسی طرح ہی ممکن ہے۔ اگر حکومت ان علاقوں میں جدید طرز کے گاؤں اور شہر بنانے کا کام شروع کردے تو تھوڑے ہی عرصے میں تمام پاکستان جنت نظیر بن سکتا ہے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ ربوہ میں کارخانہ بھی لگائے جائیں گے جو ضروریات زندگی تیار کریں گے۔ اس مقصد کے لئے ایک حصہ وقف کردیا گیا ہے۔ آپ نے توقع ظاہر کی جونہی حکومت نے شہر کی تعمیر کی اجازت دے دی تو بیک وقت کام شروع کردیا جائے گا۔ اور ایک سال کے اندر اندر شہر کو مکمل کردیا جائے گا۔ ربوہ کا دورہ کرنے کے بعد اخبار نویسوں کو ٹیلہ بالناتھ کا دورہ کرایا گیا جہاں سات ہزار ایکٹر زمین بیکار پڑی ہے۔ آپ نے یہ بھی توقع ظاہر کی کہ اگر حکومت اس زمین پر ایک شہر تعمیر کرنے کا پروگرام بنائے تو ایک بہترین شہر اس علاقہ میں تعمیر ہو سکتا ہے۔

"سٹار" کے چیف رپورٹر نے لکھا :-

امام جماعت احمدیہ ربوہ کو پاکستان میں نمونہ کا شہر بنانا چاہتے ہیں

لاہور سے سو میل دور احمدیوں کا نیا مرکز

لاہور ۸ نومبر۔ لاہور سے سو میل دور احمدی ایک شہر بنام ربوہ تعمیر کر رہے ہیں جو جماعت ہائے احمدیہ پاکستان کا مرکز ہو گا۔ شہر کے نام ربوہ کے معنے ایک پہاڑی ٹیلے کے ہیں (-) احمدیوں نے قادیان سے نکالے جانے کے بعد اس بے آب و گیاہ غیر مزروعہ کوہستانی علاقہ میں پناہ لی ہے۔ جس کا نام ربوہ تجویز کیا گیا ہے۔

یہ شہر جس کی تعمیر کے متعلق جماعت احمدیہ نہایت بلند اور حوصلہ افزاء عزائم رکھتی ہے بارہ سو ایکٹر اراضی پر پھیلا ہوا ہو گا اور اس کی تعمیر پر اوسط اندازے کے مطابق کم از کم پچاس لاکھ روپیہ خرچہ آئے گا۔ ربوہ میں دو کالج ہوں گے۔ ایک لڑکیوں کا اور ایک لڑکوں کا۔ اس کے علاوہ کئی اور سکول، ایک بڑا ہسپتال، شفاخانہ حیوانات، ڈاک خانہ اور تار گھر اور ریلوے سٹیشن ہو گا۔ بجلی مہیا کرنے کے

باقی ص ۷ پر

حضرت شیخ محمد احمد صاحب مظہر کی

ایک نادر تحریر

۱۹۶۷ء میں تعلیم الاسلام کالج کے زیر اہتمام کل پاکستان اردو کانفرنس ہوئی۔ اس کے مہتمم مکرم پروفیسر ناصر احمد صاحب پرواز ی تھے اس میں محترم نسیم سیفی صاحب کے سپرد جو مقالہ ہوا اس کا عنوان تھا "احمدی ادباء و شعراء" اس مضمون کی تیاری کے لئے محترم سیفی صاحب نے مختلف احمدی شعراء و ادباء کو خطوط لکھے۔ اس ضمن میں حضرت شیخ محمد احمد صاحب مظہر نے جو جواب ارسال فرمایا۔ وہ ذیل میں درج کیا جا رہا ہے۔

ہماری خواہش تھی کہ اس نادر تحریر کا اصل عکس بھی شائع کیا جاتا لیکن امتداد زمانہ کے باعث تحریر مدھم ہو گئی ہے جس کی وجہ سے ایسا کرنا ممکن نہیں رہا۔

تاہم اصل تحریر ادارہ الفضل کے پاس محفوظ ہے۔

(ادارہ)

مکرمی آپ کے سوالات کا جواب ذیل میں ہے۔

۱۔ ولادت نومبر 1896ء بمقام کپور تھلہ

۲۔ اسلامیہ کالج سے بی اے (آنرز) کے ساتھ کیا۔ فارسی میں آنرز کا امتحان پاس کیا۔

۳۔ لاکالج لاہور سے ایل ایل بی کا امتحان پاس کیا۔

۴۔ ۱۹۲۳ء تک اردو میں شعر لکھے۔ مشاعروں میں شامل ہوتا رہا۔ کپور تھلہ میں بڑے مشاعرے ہوتے تھے۔ جن کا حال خاکسار کے ایک مضمون مندرجہ اخبار لاہور مورخہ ۶۷-۹-۶ میں خاکسار کے قلم سے چھپا ہے۔

۵۔ ۱۹۲۳ء کے بعد فارسی میں شعر کہنا شروع کیا۔ جو ملک کے رسائل اور اخبارات خصوصاً الفضل میں یہ کلام شائع ہوتا رہا۔ اور ۱۹۵۹ء میں فارسی کلام کا مجموعہ "درد و درماں" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ اردو شعر میں میرے استاد محترم غلام صابر خاں صاحب ناطق نجیب آبادی تھے۔ وہ حالی کے شاگرد تھے۔ فارسی میں مولانا عبیداللہ صاحب بسمل میرے استاد تھے۔ جو ہندوستان میں فارسی کے بے بدل عالم اور بے نظیر شاعر تھے۔

۶۔ آپ مجموعہ اشعار "درد و درماں" کا ایک نسخہ برادرم کظیم الرحمن صاحب سے لے لیں۔ اس میں دیباچہ آپ کے مطلب کا ہے۔

۷۔ نثر میں ڈاکٹر وگلیری کی کتاب An Interpretation of Islam کا ترجمہ "اسلام پر ایک نظر" الفرقان نے شائع کیا تھا۔ یہ کتاب مکتبہ الفرقان سے مل سکتی ہے۔

۸۔ مختلف موضوعات پر مضامین خاکسار نے مختلف اخبارات و رسائل میں لکھے ہیں۔ جو ۴۰/۵۰ کے قریب ہونگے۔ ان کو یکجا کر کے چھاپنے کا ارادہ ہے۔

۹۔ علاوہ ازیں الفرقان میں "عربی ام الالسنہ" کے موضوع پر مسلسل بیس مضامین چھپ چکے ہیں۔ جو بجائے خود ایک کتاب ہیں۔

۱۰۔ رفقائے احمد جلد چہارم حضرت بانی سلسلہ کے حالات پر مشتمل میرے والد کی روایات خاکسار نے تالیف کیں۔

۱۱۔ "فردوسی اور محمود کا مقدمہ" ایک تحقیقی مقالہ اخبار لاہور میں چھپ چکا ہے۔ جس میں شاہنامہ کی اندرونی شہادت کے بعد ثابت کیا گیا ہے کہ فردوسی کا محمود کے ساتھ قطعاً کوئی معاہدہ ایک اشرفی فی شعر دینے کا نہیں ہوا تھا۔ یہ محض ایک قصہ گھڑ ا گیا ہے۔

۱۲۔ اشعار کا نمونہ آپ "درد و درماں" سے انتخاب فرمالیں۔

۱۳۔ ۱۹۲۴ء کے بعد اردو میں شعر کہنے کا مجھے بہت کم اتفاق ہوا ہے۔ فارسی میں ہی شعر کہتا رہا۔

اردو کے اشعار بھی ایک دیوان کے قریب ہیں۔ جو ابھی تک کتابی شکل میں نہیں چھپے ویسے یہ نظمیں الفضل وغیرہ اخبارات میں چھپی ہوئی موجود ہیں۔

۱۴۔ ۱۹۴۶ء کے بعد خاکسار نے مضمون ام الالسنہ پر تحقیق جاری کی۔ 1962ء میں انگریزی میں کتاب Arabic the source of all Languages شائع ہو چکی ہے۔ جو دور و نزدیک پہنچ چکی ہے۔

۱۵۔ علاوہ ازیں

TIBETAN TRACED TO ARABIC

JAPANESE TRACED TO ARABIC

SWEDISH TRACED TO ARABIC

SANSKRIT TRACED TO ARABIC

ریویو آف ریلیجنز انگریزی کے خاص شماروں کی شکل میں شائع ہو چکی ہیں۔ مندرجہ بالا زبانوں کی یہ تقریباً پوری لغتیں ہیں۔

۱۶۔

ENGLISH TRACED TO ARABIC

ایک مبسوط لغت اس وقت زیر طبع ہے۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ملکی مسائل : تعلیمی، معاشرتی، معاشی، اقتصادی، وغیرہ کے بارے میں

کس نے کیا کہا

اخبارات کے شکریہ کے ساتھ

دی نیشن / ۲۶۔ مئی ۱۹۹۳ء

(ترجمہ: مکرم پروفیسر میاں محمد افضل)

ڈاکٹر سلام کن کے ہیں؟

ڈاکٹر سلام' دنیائے سائنس کے ایک عظیم ترین سائنس دان اور یقیناً پاکستان کے بے مثل سائنس دان' آجکل ٹریسٹ میں ایک تباہ کن اور خطرناک بیماری سے نبرد آزما ہیں۔ ڈاکٹر صاحب سے ہمارے تعلقات تضادات کا شکار ہیں جن میں منافقت بھی شامل ہے اور غیر انسانی سلوک بھی۔ سوال یہ ہے کہ کیا وہ ہم میں سے ہیں یا نہیں؟ کیا ہمیں ان پر فخر کرنا چاہئے یا ان کے ذکر پر پریشانی کا اظہار؟ کیا ہمیں ان کی عزت افزائی کرنی چاہئے یا ان پر پھبتی کسنی چاہئے؟ کیا وہ پاکستانی ہیں یا کیا ہمیں ان پر کفر کا لیبل چسپاں کرکے انہیں دائرہ اسلام سے خارج کر دینا چاہے؟ کچھ سال قبل ضیاء الحق کی جمہوری گورنمنٹ ان کی وجہ سے ایک مخمصے میں گرفتار ہوئی اور وزرات خارجہ کے بظاہر متین و سنجیدہ مگر انتہائی بزدل افسران کے لئے یہ امر باعث پریشانی بنا کیونکہ ڈاکٹر صاحب نے اس خواہش کا اظہار کیا۔ کہ انہیں نوبل پرائز کے لئے پاکستان نامزد کرے۔ آخر جب کرنا پڑ گیا تو اسلام آباد میں ایک سنسنی پھیلی اور لندن کی ایمبیسی بھی پریشان دکھائی دینے لگی۔ پاکستان گورنمنٹ کے اس اعلان کا مطلب کیا تھا؟ بات کچھ سمجھ میں نہ آئی۔ کیونکہ پاکستان کے وجود میں آنے کے ۴۶ سال بعد یعنی نعرہ تو وہی ہے کہ پاکستان کا مطلب کیا؟ اور کیا یہ فیصلہ اس سے متضاد نہ تھا؟ فرمانروایان حکومت کی پریشانی اس وقت دیدنی تھی جب ڈاکٹر سلام نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ نوبل انعام بطور ایک پاکستانی شہری کے وصول کرنا چاہتے ہیں۔ سربراہان حکومت پاکستان کو اس پریشانی کے عالم میں گرفتار دیکھ کر حکومت برطانیہ نے پیشکش کردی کہ ڈاکٹر سلام جو ایک عرصہ سے ان کے تعلیمی اداروں سے منسلک ہیں 'ان کے ہیں مگر یہ اعلان تو حکومت پاکستان کے لئے ستم بلائے ستم کے مترادف تھا۔ کیونکہ اس کا مطلب یہ تھا کہ انہیں انعام تو مل ہی جائے گا خواہ انہیں اپناؤ یا نہ اپناؤ۔ اور پھر سرکاری دفاتر میں ایک تھرتھلی مچ گئی۔ کچھ اس قسم کے الفاظ "شاید" "ہو سکتا ہے" "فرض کیجئے" اس طرح ادھر ادھر اچھالے گئے جس طرح گندگی کے پلاسٹک کے تھیلے پھینکے جاتے ہیں۔ آخر چارو ناچار ایک بلاجواز لمبی تاخیر کے بعد پاکستان گورنمنٹ نے تسلیم کر لیا کہ ڈاکٹر سلام حقیقتاً پاکستان کی پیداوار ہیں۔ اور ملک (آپ اس کا جو بھی مطلب لیں) ان پہ ناز کر سکتا ہے ان کا نوبل انعام حاصل کرنا پاکستان "جو ان کی جنم بھومی ہے" کے لئے ایک بہت بڑا اعزاز تسلیم کیا گیا" لیکن آگے ایک اور موڑ آگیا۔ ڈاکٹر سلام انعام لینے سٹیج پر پہنچے تو انہوں نے پاکستانی لباس زیب تن کر رکھا تھا۔ ایک عمدہ شیروانی کلف لگی شلوار۔ پگڑی کا شاندار طرہ۔ مگر اسی پر بس نہ ہوئی۔ وہ تقریر کرنے لگے تو انہوں نے اسلامی مملکت پاکستان کے قانون کو توڑتے ہوئے۔ اپنے مختصر خطاب سے قبل قرآنی آیات کی تلاوت کی جو وہ کرنے کے مجاز نہ تھے کیونکہ ملک کے فرمانروایاں نہ ان کو مسلمان تسلیم کرتے ہیں نہ ان کی جماعت کو جسے اپنے ہی ملک میں دربدر کئے جانے والوں کا درجہ دے دیا گیا ہے" بہر حال حکومت پاکستان نے کمال مہربانی کا ثبوت دیا ہے کہ انہیں اللہ کی شان میں گستاخی کرنے والا قرار دے کر مورد سزا نہ گردانا۔

اس واقعہ کے بعد ہمیں ڈاکٹر سلام سے کوئی خاص تعلق نہیں رہا۔ ان کے نوبل انعام پانے کے وقت جو فیصلہ کیا گیا وہ محض ایک تنظیمی فیصلہ تھا" کیونکہ شاید حالات اس بات کے متقاضی تھے مگر یہ فیصلہ خوشدلی سے نہ کیا گیا پاکستان کے روشن خیال پالیسی ساز حکام نے اپنے آپ کو محض ایک مشکل سے نکالنے کے لئے ایسا تجویز کیا تھا مگر درحقیقت کون سا جذبہ کار فرما تھا اس سے اکثر پاکستانی واقف تھے۔ یہ بھٹو صاحب کی گورنمنٹ تھی جس نے احمدیوں کو کچھ ایسی پوزیشن میں کھڑا کر دیا گویا ایک طرف سمندر ایک طرف کھائی بعد میں آنے والی گورنمنٹوں نے ان کے مقام کو مزید پرکشش بنانے کے سامان کئے اور بڑے جوش و خروش سے ان کی ایذا رسانی کی مہم جاری رکھی۔ مگر یہ عجیب بات ہے کہ جنرل ضیاء الحق نے ڈاکٹر سلام کی نسبتاً تکریم کی۔ اس کے برعکس محترمہ بینظیر بھٹو صاحبہ نے "جب وہ وزیر اعظم تھیں" ڈاکٹر سلام کی خواہش کے باوجود ان کو ملنے سے انکار کر دیا۔ اب اس ملک کے روشن خیال اور روشن دماغ طبقہ کی بات بھی سن لیجئے۔ اسلام آباد میں ایک یونیورسٹی ہے (اگر اسے یونیورسٹی کا نام دیا جا سکتا ہے) جس کا نام بھی میں بھول رہا ہوں "اس نے ڈاکٹر سلام کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری دینے سے انکار کر دیا محض اس لئے کہ وہ احمدی ہیں۔ ڈاکٹر سلام جنہیں تقریباً ہر یونیورسٹی نے اس اعزاز کے قابل سمجھا وہ خود اپنے ملک کی اس حرکت کی توجیہ پیش کرتے رہے تا ہمارے تعلیمی اداروں کی بین الاقوامی شہرت پہ حرف نہ آئے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ڈاکٹر سلام کو کسی شے کی احتیاج نہیں تو وہ

Who owns Dr Salam?

So Dr Salam lies in Trieste, fighting a disease which seems relentless in its destruction of one of the world's greatest scientists, certainly one without par to emerge from Pakistan. Our personal equation with the Doctor is full of contradictions and reflective of our usual standards of hypocrisy and inhumanity. Is he one of us or is he not? Is he a source of pride or is he an embarrassment? Is he to be revered or is he to be ridiculed? Is he, above all, a Pakistani or is he a heretic and, therefore, beyond the 'pale of Islam'?

A few years ago, Dr Salam, much to the consternation of the democratic government of General Ziaul Haq and to the many serious-faced, jelly-livered gophers of the Foreign Office, ended up being nominated for the Nobel Prize. The decision caused a flurry in the diplomatic corridors in Islamabad and our embassy in London. What was the Pakistan government to make of this announcement? There were no immediate answers. Not surprising considering that 46 years after coming into being, the popular question still is, *Pakistan ka matlab kiya*? There was more confusion when word came through that Dr Salam had stated that he would receive the prize as a citizen of his country, Pakistan. Sensing the confusion in the ranks here and in the UK, the British with whose institutions of learning Dr Salam has had a long association, announced that Dr Salam was one of their own. This further confounded the brains in Islamabad. It was a classic situation of 'hanged if we do and hanged if we don't' and there was a great deal of dithering with words like 'perhaps' and 'maybe' and 'supposing' being tossed about like plastic garbage bags. In the end, after what was a long and embarrassing delay, Pakistan 'recognised' the good Doctor to be a genuine Pakistani product and one about whom the country (whatever that means) was proud. His having won a Nobel Prize was therefore equated with a singular honour and achievement for the country of his birth, Pakistan. The problem, however, didn't end there. Dr Salam went up the stage in his country's traditional attire, cutting a fine figure, the crisp *shalwar*, the *sherwani*, the *turrah*. Worse, he immediately committed an act of breaking the country's laws, when he recited from the Quran, which he could not do, not being a Muslim by definition of those who had made his community outcasts in their own land. However, mercifully, Dr Salam was spared the blasphemy charge and was not prosecuted for taking the Lord's name in vain.

Since then, we have not had much to do with Dr Salam. The peculiar decision that was taken on the eve of his Nobel Prize nomination was an administrative decision. It may have been a pragmatic interpretation of the situation, but there was no heart in it. The Pakistan government's enlightened policy makers had merely extricated themselves from an embarrassing situation, but the irony was not lost on many Pakistanis here and abroad. It was of course Mr Bhutto's government which relegated the Ahmedis to a position somewhere between the devil and the deep blue sea. It was further embellished upon by succeeding governments and their persecution continued with great zeal and enthusiasm. It is ironical too that Dr Salam got more response from General Ziaul Haq. Ms Bhutto was not even ready to see him when she was PM, a meeting which Dr Salam had requested. Talk of enlightened leadership! I understand that the University (if we must call it that) in Islamabad, I forget the name, refused to confer an honorary doctorate on Dr Salam because he was an Ahmedi. Just as well Dr Salam who has honorary doctorates from just about every country might have had to explain this one, our international academic reputation being what it is. If there is one thing Dr Salam does not need, it is an honorary degree from one of our 'prestigious' universities which would be awarded to him by some factotum of the Government of Pakistan who may not have gone beyond primary class himself and that too by bribing the headmaster. No, Dr Salam should stay away from our degrees, honorary or otherwise. That has, however, not stopped him from helping numerous Pakistani students with money, advice and guidance. They say he goes out of his way to help our young students who seek him out. Obviously this man continues to display traits that are not very Pakistani.

Dr Salam does not need any glory from this country. He rose from humble origins in remote Jhang and has risen to the top in a field whose name most of us cannot spell leave alone understand. What he has achieved is not for Pakistan to determine. Others, more gifted, more educated and more aware, have already done so and will do so long after Dr Salam has bid these shores good-bye. It is in our inhuman and beastly attitude towards those who may not share our viewpoint that we are most to be blamed. We cannot tolerate dissent in any form. We are rigid and hard, showing none of the virtues which God has indeed blessed his creation with. We have no hearts, we feel nothing except anger and intolerance. We are full of venom and destruction. We cannot rise above our own mediocrity. The way we have treated Dr Salam is the same attitude that has characterised our behaviour with other gifted sons and daughters of this soil. Saadat Hasan Manto, Roshan Ara Begum, Amanat Ali Khan, Faiz Ahmad Faiz – the list is long and full of pain. So many talented people whom we have not taken into our fold. What we have encouraged, nurtured and fostered is heaps of mediocrity which has now grown to become the dung-hill of our total national achievement. Dr Salam may die forlorn in the knowledge that the one place where he wanted appreciation most from, never gave it to him. He should know that there are many in this land who love and respect him and who take his name with the reverence that it deserves.

The Nation WEDNESDAY, MAY 26, 1993

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ہماری "قابل عزت" یونیورسٹی کی ڈگری کی اگر انہیں ایسی ڈگری دی بھی جاتی تو کس سرکاری اہلکار کے "دست مبارک" سے جس کا مبلغ علم بمشکل پرائمری تک ہوتا اور اس کے حصول میں بھی کسی ہیڈ ماسٹر کی غیبی امداد کو دخل ہوتا۔ نہیں ڈاکٹر سلام کو ہماری ایسی ڈگریوں سے دور ہی رہنا چاہئے۔ ڈاکٹر سلام کے ساتھ یہ سلوک روا رکھا گیا مگر اس کے باوجود وہ پاکستانیوں کی خدمت پہ تلے ہوئے ہیں۔ بہت پاکستانیوں کی انہوں نے مالی مدد کی۔ مشورے دیئے۔ راہنمائی کی۔ حقیقت یہ ہے کہ جن نوجوانوں نے ان کی طرف رجوع کیا۔ انہوں نے ہر رکاوٹ پھلانگ کر بھی ان کی مدد کی۔ وہ مسلسل ایسے کام کئے جا رہے ہیں اور اس طرح ایسی خصوصیات کا اظہار کرتے ہیں جو پاکستانیوں کا طرہ امتیاز نہیں۔ ڈاکٹر سلام اس ملک کی عطا کردہ کسی شان و شوکت کے متمنی نہیں۔ وہ ایک دور افتادہ جگہ یعنی جھنگ کے ایک معمولی گھرانے سے ابھرے اور اب ایک ایسے میدان کے شہسوار ہیں جس کو سمجھنا تو درکنار ہم میں سے بہت سے اس کے ہجے تک نہیں جانتے۔ انہوں نے جو نام پیدا کیا اس کا اندازہ پاکستانیوں نے کیا لگانا ہے۔ بہت سے اور جو زیادہ دانشمند اور قابل ہیں ان کے مقام کو پہچان چکے ہیں۔ اور ان کی عزت افزائی اس وقت بھی ہوتی رہے گی جب ڈاکٹر سلام اس دنیا میں نہیں ہونگے۔ افسوس تو یہ ہے کہ ہم ان لوگوں سے جو ہمارے ہم خیال نہیں غیر انسانی ہی نہیں بلکہ حیوانی سلوک کرنے پہ اتر آتے ہیں یہ برداشت ہی نہیں کہ کوئی ہم سے اختلاف رائے رکھے۔ ہم سخت گیر بھی ہیں اور اپنی بات پہ اڑ جانے والے۔ اور ان اعلیٰ صفات سے قطعاً عاری ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات کو ودیعت کئے ہیں۔ ہمارے دل پتھر کی طرح ہیں اور اگر کچھ محسوس ہوتا ہے تو فقط غصہ۔۔۔ دوسروں پہ غصہ (ہمارا اندرونہ زہر آلود ہے اور تخریب کاری کی صفت نمایاں ہے۔ ہم "اوسط درجے کے انسان" اپنی سطح سے بلند نہیں ہو سکتے ہمارا ڈاکٹر سلام سے سلوک ایسے ہی جذبہ کا مظہر ہے۔ ہم نے اس سر زمین پہ جنم لینے والے دوسری خواتین و حضرات سے بھی ایسا ہی سلوک روا رکھا۔ مثلاً سعادت حسن منٹو۔ روشن آرا بیگم۔ امانت علی خاں۔ فیض احمد فیض۔۔۔ فہرست تو بہت لمبی ہے اور دردناک بھی" یہ سب وہ ذہن و فطین لوگ تھے جنہیں ہم نے اپنانا پسند نہ کیا۔ ہاں! ہم نے حوصلہ افزائی کی ہے۔ پرورش کی ہے مگر کس کی؟ اوسط درجہ کی قابلیت کی۔ یہ گوبر کا ڈھیر ہی ہم اپنا سرمایہ سمجھتے ہیں اور اسی پہ فخر کرتے ہیں۔ ڈاکٹر سلام شاید یہ خیال لئے رخصت ہو جائیں کہ وہ ملک جہاں ان کی قدر دانی کی جانی چاہئے تھی اس نے کبھی بھی ایسا نہیں کیا۔ مگر ڈاکٹر سلام کو یہ جاننا چاہئے کہ اس ملک میں ان کے بہت سے قدر شناس بھی موجود ہیں۔ جو نہ صرف ان کی عزت و تعظیم کرتے ہیں بلکہ ان سے محبت بھی۔ جو ان کا نام لیتے ہیں تو اسی تعظیم کے ساتھ جو ایک معزز اور قابل قدر انسان کا حق ہے۔

ڈان

۲۴-اگست ۱۹۹۳ء

محمد اسلم قادری (کراچی) ڈان کے ۲۴/ اگست کے شمارے میں تھوکنے والوں کے متعلق کہتے ہیں۔

میں مسٹر محسن الٰہی سے اپنے اس خط کے لئے معذرت خواہ ہوں کہ یہ ان کے خط "تھوکنے والے" (۲/اگست) کے جواب میں ہے۔ میں یہ بات تسلیم کرتا ہوں کہ میری طرح اپنے ملک کے ہر باشندے نے ایسے لوگوں کے ہاتھوں بلکہ ان کے منہ کے ذریعے نقصان اٹھایا ہے جو تھوکتے ہیں۔

تھوکنے کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ یہ ہمارا ایک محبوب مشغلہ بن گیا ہے اور اس کو فروغ دے کر بعض لوگوں نے ایک فن بنا دیا ہے۔ ایک عام سے اندازے کے مطابق یہ عادت کسی بھی فرد کی زندگی کا ایک خاصا حصہ لے لیتی ہے۔ یوں کہئے اوسطاً سترہ اٹھارہ گھنٹوں میں سے ایک گھنٹہ تو یقیناً اس پر صرف ہوتا ہے باقی چھ سات گھنٹے ہماری نیند کے لئے ہوتے ہیں جس عرصے میں اگر تھوکنے والوں کو اختیار دیا جائے تو وہ تھوکتے ہی رہیں۔ ہمارے ملک میں بہت زیادہ تعداد میں تھوکنے والے موجود ہیں۔ اور ان کے مختلف درجے قائم کئے جا سکتے ہیں۔ جو یقیناً سب کے سب ایک دوسرے سے ممتاز ہوں گے یہ درجے یوں ہو سکتے ہیں ایسے لوگ جو یونہی ادھر ادھر تھوکتے ہیں ان میں سے ہر فرد کو ہم گلیوں میں چلتا پھرتا اور بغیر کسی تکلف کے تھوکتا دیکھتے ہیں۔ ایسے لگتا ہے جیسے از خود لاشعوری طور پر انہیں تھوکنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور وہ اس پر قابو نہیں پا سکتے۔

(۲) فیشن ایبل تھوکنے والے! ایسے ایسا ہر شخص تھوکنے سے بڑا لطف حاصل کرتا ہے اور اپنے مقابل پر اس شخص سے جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے خواہ صرف خاص خاص جگہوں پر اپنے راستے میں تھوکتا چلا جاتا ہے۔ وہ یوں لگتا ہے کہ خوشی سے مسکرا رہا ہے اگر کبھی وہ ایسی جگہ تھوک نہ پھینک سکے۔ جہاں اس کا دل چاہتا تھا

(۳) چلنے پھرنے والے موبائل تھوکنے والے ان کا ہر فرد بغیر کسی کو وارننگ دیئے جہاں کہیں بھی وہ ہے بس میں ہے یا منی بس میں ہے یا کار میں ہے تھوک دیتا ہے جب اس کی گاڑی رکی ہوئی ہو تو وہ اپنے قریب سے گزرنے والوں پر اپنا بوجھ اتار دیتا ہے اور ان کو پتہ بھی نہیں ہوتا کہ یہ چیز ان کی طرف آنے والی ہے۔ جب گاڑی چل رہی ہو تو وہ اپنا سر باہر نکالتا ہے اور اپنا بوجھ تیز چلنے والی ہوا میں یوں پھینک دیتا ہے کہ اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ گاڑی پر اس کی پیک کے قطرے نہ گریں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دوسری پیچھے آنے والی گاڑی پر وہ سارا تھوک ونڈ سکرین پر جا پڑتا ہے۔ (۴) ایک تماشہ گر تھوکنے والے بھی ہیں۔ یہ کار چلاتے ہوئے اچانک اپنی کار کا دروازہ کھولتے ہیں باہر کی طرف جھک جاتے ہیں اور تھوکنا شروع کر دیتے ہیں اور گاڑی کو اس زور سے پکڑا ہوتا ہے کہ کہیں ان کا ہاتھ چھوٹ نہ جائے۔ پانچویں قسم کے وہ لوگ ہیں جو پان کھاتے ہیں۔ اور یہ لوگ زیادہ خطرناک ہیں کیونکہ یہ اچانک تھوک دیتے ہیں۔ ان کی مرضی ہو یا نہ ہو انہیں تھوکنا پڑتا ہے۔ اور میں اپنے تجربے کی بناء پر کہتا ہوں کہ مجھ پر اس طرح کی ذلت آمیز تھوک کئی دفعہ گری ہے۔ جب کہ میں پان کھانے والے کے سامنے بیٹھا ہوتا ہوں انہوں نے اس محاورے کو خاصا ثبوت مہیا کیا ہے کہ شہر کو سرخ پینٹ کر دینا۔

اوپر کی باتوں کے علاوہ لوگ اجتماعی تھوکنے کا شغل بھی کرتے ہیں یہ بات سٹیڈیم میں اکثر دیکھی جاتی ہے جب کہ میچ ہو رہا ہو اور اسی طرح سینماؤں کے اندر بھی جہاں کوئی شخص دیکھ نہیں سکتا۔ یعنی تھوکنے والے پر نظر نہیں پڑ سکتی۔ اگرچہ وہ تھوکنے کے عمل کی آواز کو ہر طرف سنتا ہے اور اسے تردد پیدا ہوتا ہے اور بے چینی۔ لیکن اس سلسلے میں کیا کچھ نہیں جا سکتا۔ اگرچہ یہ بات عالمی طور پر تسلیم شدہ ہے کہ دلیل دینے کے سلسلے میں ذہانت کی ضرورت ہے اور یہی وہ بات ہے جو انسان کو جانور سے ممتاز کرتی ہے۔ مجھے یہ بات ماننی پڑتی ہے کہ تھوکنا بھی ایک ایسا عمل ہے جو انسان کو جانور سے ممتاز کرتا ہے۔ بعض جانور تھوکتے ہیں لیکن اس لئے نہیں کہ یہ چھپی ہوئی ایک

باقی ص ۷ پر

The spitters

MY apologies to Mr. Mohsin Elahi for this sequel to his letter captioned. "The spitters" (Aug 2). I believe that like me every countryman has suffered at the hands (or more appropriately, the mouths) of the spitters.

Spitting can be described as being one of our favourite pastimes, the same having been developed into an art by some. By a conservative reckoning this act alone may consume a good part of an individual's life, say on an average about one hour out of the 17-18 hours per day (the remaining 6-7 hours being reserved for normal sleep, during which time, if allowed a choice the spitters would probably prefer to carry on spitting).

Spitters in our country abound and they can be graded into classes, each distinct from the others, viz (1) the Disorderly (Haphazard) Spitter: he is the one who can usually be seen walking along the streets and spitting automatically, almost as an impulsive reflex action and without seeming to be in control (2) the Finicky Spitter: he clearly relishes the act and unlike his counterpart mentioned above, unleashes salvos only at specific objects lining up his route, grinning with delight on scoring hits and scowling when he misses, (3) the Mobile Spitter: he strikes without warning from his mobile vantage point (bus, minibus, car, etc). He may, while the vehicle is stationary, release his load on unsuspecting passers-by or, while on the move, poke his head out the nearest window and try to "unload" against the on-rushing wind, simultaneously doing his utmost to avoid messing up the side of his vehicle. The end result is normally found attached to the windscreen of the vehicle directly behind, (4) the Acrobatic Spitter: while driving he will suddenly open the car's door, lean out and commence spitting (all the while trying his best not to lose control over the car) and (5) the Betel Leaf (Paan) Chewer: beware, for he is the deadliest of the species who strikes suddenly and often without meaning to. I speak from personal experience as I have suffered the ignominy of being on the receiving end while sitting opposite a member of this clan. They have given more colour to the idiom, "Painting the Town Red".

Apart from the above, people also indulge in group-spitting. This can usually be witnessed in stadiums during a sporting event as well as in the dark confines of cinema halls where one cannot see, but is able to hear the act being executed all around and except for harbouring feelings of revulsion and nausea, there is nothing much one can do.

While it is universally acknowledged that it is intellect (the ability of being able to reason) which sets a human apart from an animal, I am compelled to believe that the act of spitting is also one measure between man and animal. Some animals do spit, not because it is an ingrained habit but purely out of necessity or using the same as a defensive mechanism. Man alone spits wantonly, with abandon and without giving a second thought to the inconvenience it may cause to others. Then again the ability to remain indifferent and apathetic towards the sufferings of others is also a quality which is uniquely human where the dignity of another individual is virtually of no significance.

Since this malady seemingly does not have a remedy I can only second the proposal put forward by Mr. Mohsin Elahi that such individuals hang a spitoon around their necks to use in case of need. Which brings me to another "disease" rampant in our country, i.e. urinating in the open. What should one suggest for them, portable urinals?

MUHAMMAD ASLAM QUADRI
Karachi

IV — DAWN TUESDAY, AUGUST 24, 1993

Digitized by Khilafat Library Rabwah

تعارف

دعوت الی اللہ کے میدان میں تائید الٰہی کے ایمان افروز واقعات.

محترم مولانا عطاء المجیب صاحب راشد سے ہمیں قلبی محبت ہے آپ ہمارے ایک بہت بڑے بزرگ اور ذاتی کرم فرما حضرت مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری کے فرزند ارجمند ہیں آپ کو دیکھ کر آپ کی باتیں سن کر اور آپ کی تحریر پڑھ کر ہمیں مولانا ابو لعطاء صاحب یاد آتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ بہت یاد آتے ہیں جس کتاب کا تعارف اس وقت مقصود ہے وہ محترم مولانا عطاء المجیب صاحب راشد کی ایک تقریر ہے جو برطانیہ کے ۹۱ء جلسہ سالانہ کے موقعہ پر کی گئی تھی اور مجلس خدام الاحمدیہ جرمنی نے اسے کتابی صورت میں شائع کیا ہے۔ جہاں تک دعوت الی اللہ کا تعلق ہے حضرت امام جماعت الرابع نے اپنی امامت کے آغاز ہی میں فرمایا تھا۔

"خوشی اور مسرت اور عزم اور یقین کے ساتھ آگے بڑھو۔ (دعوت الی اللہ) کی جو جوت میرے مولا نے میرے دل میں جگائی ہے اور آج ہزارہا سینوں میں یہ لو جل رہی ہے اس کو بجھنے نہیں دینا۔ اس کو بجھنے نہیں دینا۔ تمہیں خدائے واحد و یگانہ کی قسم اس کو بجھنے نہیں دینا۔ اس مقدس امانت کی حفاظت کرو۔ میں خدائے ذوالجلال والاکرام کے نام کی قسم کھاکر کہتا ہوں اگر تم اس شمع کے امین بنے رہو گے تو خدا اسے کبھی بجھنے نہیں دے گا۔ یہ لو بلند تر ہو گی اور پھیلے گی اور سینہ بہ سینہ روشن ہوتی چلی جائے گی اور تمام روئے زمین کو گھیر لے گی اور تمام تاریکیوں کو اجالوں میں بدل دے گی"

اسی طرح حضور نے فرمایا میری تو دن رات کی یہی تمنا ہے دن رات دل میں ایک آگ لگی ہوئی ہے میں کیسے بھول سکتا ہوں اس لئے اللہ مجھے یاد کرواتا رہے گا۔ اور میں یاد رکھوں گا اور آپ کو بھی یاد کرواتا رہوں گا لیکن اگر آپ نے غفلت کی وجہ سے اس بات کو بھلا دیا تو یاد رکھیں کہ آپ خدا کے سامنے جواب دہ ہوں گے۔ اس لئے نہ خود بھولیں نہ دوسروں کو بھولنے دیں۔ آج جماعت کی سب سے اہم ذمہ داری خدا کا پیغام دوسروں تک پہنچانا ہے۔"

اس کتاب کا پیش لفظ مکرم محمد منور عابد صدر مجلس خدام الاحمدیہ جرمنی نے تحریر فرمایا ہے اور اس پیش لفظ کو یوں ختم کیا ہے۔

"خدا کرے کہ یہ ایمان افروز کتاب ہمارے اندر نئی حرارت ایمانی اور دعوت الی اللہ کے میدان میں نئے ولولوں کا پیامبر بن کر طلوع ہو۔ اور ہم اپنی آنکھوں سے غلبہ دین حق اور فتوحات دینیہ کے نظارے دیکھ سکیں"

کتاب میں بعض اصولی باتوں کے علاوہ زیادہ تر دنیا کے مختلف حصوں سے اخذ کئے گئے واقعات درج کئے گئے ہیں اور اس بات کو دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے کہ

خدا کے پاک لوگوں کو خدا سے نصرت آتی ہے
جب آتی ہے تو پھر عالم کو اک عالم دکھاتی ہے

مکرم عطاء المجیب صاحب راشد اپنی تقریر میں فرماتے ہیں۔

"دعوت الی اللہ دراصل لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے کا نام ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ دراصل خدا کا کام ہے اور سچی بات تو یہ ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت اور اس کی رہنمائی شامل حال نہ ہو اس میدان میں ہرگز کوئی کامیابی نصیب نہیں ہوتی۔ کامیابی نصیب ہوتی ہے تو اس کی اصل اور بنیادی وجہ یہی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ تبارک و تعالیٰ خود لوگوں کے دلوں میں سچائی کا نقش قائم فرما دیتا ہے۔ تائید الٰہی کا یہ پہلو جو رویاء و کشوف اور خوابوں کے ذریعے پیغام حق پہنچانے کے متعلق ہے متلاشیان حق کی دستگیری کا ایک قطعی اور یقینی ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس تائید کے مظاہر تاریخ احمدیت میں اس کثرت سے ملتے ہیں کہ دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جو اس برکت سے محروم رہا ہو"۔

نیز آپ فرماتے ہیں "دعوت الی اللہ کے میدان میں رونما ہونے والے تائید و نصرت الٰہی کے ان واقعات میں سے گزرتے ہوئے بار بار یہ حقیقت روشن تر ہوتی چلی جاتی ہے کہ دعوت الی اللہ کرنے والے خدا تعالیٰ کو اس قدر عزیز اور محبوب ہو جاتے ہیں کہ خالق کائنات اپنے ان فدا کاروں کے لئے معجزانہ قدرتیں دکھاتا ہے اور نشان نمائی کے ذریعے قدم قدم پر ان کی دستگیری کرتا اور دین حق کی صداقت کو ثابت کرتا چلا جاتا ہے"

آگے چل کر آپ فرماتے ہیں "دعوت الی اللہ کے میدان میں تائید الٰہی کے یہ چند واقعات بطور نمونہ بیان کئے گئے ہیں ہر داعی الی اللہ کو یہ یقین عطا فرماتے ہیں کہ جو شخص بھی دعوت الی اللہ کا علم تھامے اس مبارک راستہ پر گامزن ہو جاتا ہے زمین و آسمان کا خدا قدم قدم پر اسے اپنی غیر معمولی تائید و نصرت سے نوازتا ہے۔

"یاد رہے کہ یہ واقعات ماضی کے قصے نہیں بلکہ ایک زندہ حقیقت کے طور پر اب بھی اکناف عالم میں پھیلے ہوئے مخلص داعیان الی اللہ کی زندگی میں جاری و ساری دکھائی دیتے ہیں دین حق کا خدا ایک زندہ خدا ہے اس کے وعدے کبھی ماضی کا قصہ نہیں بنتے۔ پس آج یہ واقعات ہر احمدی کے لئے ایک دعوت عام کا رنگ رکھتے ہیں کہ وہ بھی دعوت الی اللہ کے مقدس میدان میں اترے اور تائیدات الٰہی کے ایسے ایمان افروز جلووں سے اپنی زندگی کو منور کرے۔"

"جن واقعات کو پڑھ کر یا سن کر آج ہمارے خون کو ایک نئی حرارت اور ایمان کو جلا نصیب ہوتی ہے خدا کرے کہ اس قسم کے روحانی تجربات ہماری زندگیوں کا مستقل حصہ بن جائیں۔

احمدیت کے جن داعیان الی اللہ کے واقعات پیش کئے گئے ہیں ان میں سر فہرست حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نیر (اللہ تعالیٰ ہمیشہ آپ سے راضی رہے۔) کے نائیجیریا میں قیام کے دوران کے واقعات ہیں۔ دیگر داعیان الی اللہ میں مندرجہ ذیل احباب شامل ہیں۔

حضرت ماسٹر عبدالرحمان صاحب مہر سنگھ' حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی' حضرت مفتی محمد صادق صاحب' مکرم ڈاکٹر سردار نذیر احمد صاحب' حضرت مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری' حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس' محترم ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم' حضرت قاضی محمد نذیر صاحب خادم' محترم مولانا محمد صدیق صاحب امرتسری' حضرت مولانا محمد الیاس صاحب' حضرت مولانا نذیر احمد صاحب علی' حضرت مولانا غلام حسین صاحب ایاز' حضرت غلام احمد صاحب' حضرت شیر محمد صاحب' حضرت مولانا رحمت علی صاحب' محترم شیخ عبدالواحد صاحب' حضرت مولانا عبدالکریم صاحب' حضرت مولانا نذیر احمد صاحب مبشر' حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب حضرت مولانا عبدالمالک خان صاحب' حضرت مولانا محمد صادق صاحب سماٹری' اور ان کے ہمراہ محترم عطاء المجیب صاحب راشد کے ساتھ پیش آنے والے بعض واقعات کا بھی ذکر ہے۔

دعوت الی اللہ کرنے کے سلسلے میں تائید الٰہی کا محترم مولانا موصوف یوں بھی ذکر کرتے ہیں

"حقیقت یہ ہے کہ زمین و آسمان کی ایک ایک چیز اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے اور جب بھی اس کی قدرت اور مشیت تقاضا کرتی ہے یہ سب اشیاء خواہ وہ آسمان میں ہوں یا زمین پر اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کے نشان کے طور پر ظاہر ہو کر ازدیاد ایمان کا موجب بنتی ہیں اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کے ان سب مظاہر کو دعوت الی اللہ کے میدان میں صدق دل سے اترنے والوں کے لئے اس رنگ میں مسخر کر دیتا ہے کہ وہ قدم قدم پر اس کی تائید و نصرت میں جلوہ نمائی کرتے ہیں۔ بارش کا برسنا بھی نشان بن جاتا ہے اور اس کا رکنا بھی۔ اسی طرح آگ کا لگنا بھی اور اس کا بجھنا بھی۔"

تعارف تو محض تصنیف اور اس کے مصنف کے ذکر پر ہی اکتفا کرتا ہے لیکن اس کتاب کا مزہ آپ کو صرف اور صرف اس وقت آ سکتا ہے جب آپ اس کا مطالعہ کریں گے اور اس میں درج شدہ واقعات آپ کے لئے ایمان افروز ثابت ہوں گے۔ آپ مجلس خدام الاحمدیہ جرمنی سے رابطہ پیدا کر کے کتاب حاصل کر سکتے ہیں اور شائد محترم مولانا عطاء المجیب صاحب راشد بیت الفضل لندن سے بھی اس سلسلے میں رابطہ کیا جا سکتا ہے۔

اس کتاب کا ایک اہم حصہ حضرت امام جماعت احمدیہ الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرالعزیز کے دعوت الی اللہ کے متعلق بعض اہم ارشادات کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ حضور نے دعوت الی اللہ کے دس اہم طریق بیان فرمائے ہیں۔ اور اس بات کی خواہش کا اظہار کیا ہے کہ ہر احمدی داعی الی اللہ بنے۔ فرماتے ہیں۔

"میں بار بار اعلان کر رہا ہوں کہ داعی الی اللہ بنو۔ دنیا کو نجات کی طرف بلاؤ۔ دنیا کو اپنے رب کی طرف بلاؤ۔ ورنہ اگر بے خدا انسان کے ہاتھ میں دوسرں کی تقدیر چلی جائے تو ان کی ہلاکت یقینی ہو جاتی ہے۔ پس ہر احمدی بلا استثنیٰ داعی بنے وہ وقت گزر گیا جب چند داعیان پر انحصار کیا جاتا تھا۔ اب تو بچوں کو بھی داعی بننا پڑے گا بوڑھوں کو بھی داعی بننا پڑے گا۔ یہاں تک کہ بستر پر لیٹے ہوئے بیماروں کو بھی داعی بننا پڑے گا۔ اور کچھ نہیں وہ دعاؤں کے ذریعے دعوت (کی سعی) میں شامل ہو سکتے ہیں دن رات اللہ سے گریہ وزاری کرتے ہیں کہ اے خدا ہم میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ ہم چل پھر کر دعوت دے سکیں اس لئے بستر پر لیٹے لیٹے تجھ سے التجا کرتے ہیں کہ تو دلوں کو بدل دے اور ہم اپنی ذمہ داریوں کو سمجھ لیں۔ اور اس جذبے کے ساتھ کام شروع کر دیں تو مجھے یقین ہے کہ دنیا کی ہلاکت کی تقدیر اللہ کے فضل سے ٹل جائے گی۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر احمدی کو داعی الی اللہ بنائے اور اس سلسلے میں اسے بڑھ چڑھ کر پھل عطا فرمائے۔ اے خدا تو ایسا ہی کر۔

محترم مولانا عطاء المجیب صاحب راشد کو ہم اس تقریر پر اور مکرم محمد منور عابد صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ جرمنی کو اس تقریر کو کتابی صورت میں شائع کرنے پر دلی مبارکباد دیتے ہیں۔

(ن - س)

دفتر سے خط و کتابت کرتے وقت چٹ نمبر کا حوالہ ضرور دیا کریں

Digitized by Khilafat Library Rabwah

واقفین نو

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ تمام واقفین نو کو صحت و تندرستی کے ساتھ لمبی عمر عطا فرمائے اور وہ بڑے ہو کر خود اپنے آپ کو وقف کیلئے پیش کرنے کی سعادت حاصل کریں۔

ساجد احمد ابن ناصر احمد احمد نگر ضلع جھنگ

نصیر احمد ابن نثار احمد ربوہ

طیبہ محمود بنت محمود احمد سرگودھا

عدنان احمد ابن ناصر احمد چک ۲۰۶ مراد ضلع بہاول نگر

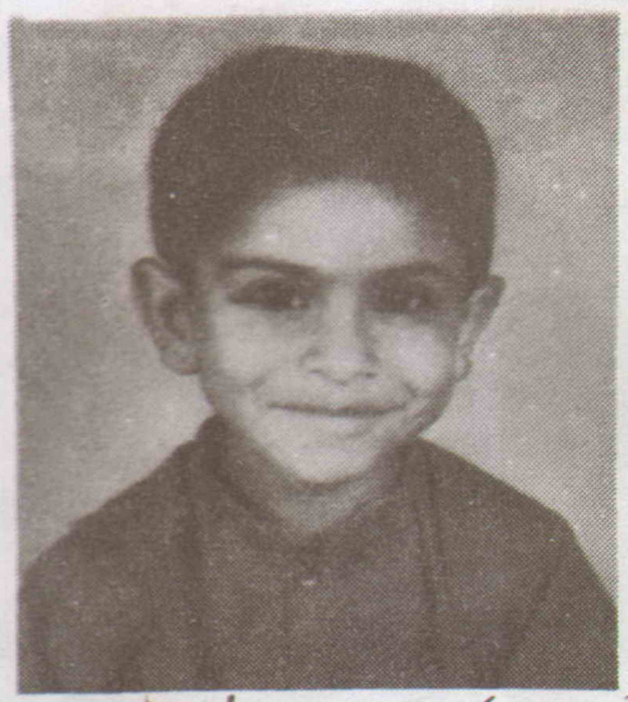

مبارک احمد ابن صالح محمد ٹھٹھہ جوئیہ۔ ضلع سرگودھا

فرخ شہزادا ابن محمد ریاض ٹھٹھہ جوئیہ ضلع سرگودھا

سندس رؤف بنت عبد الرؤف بھاگل ضلع مظفر گڑھ

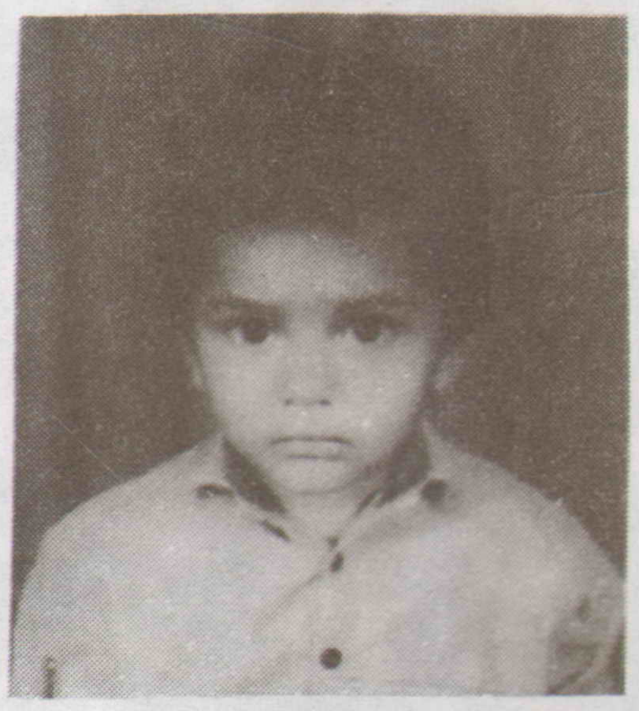

عاطف احمد زاہد ابن نثار احمد طارق بنی سررود ضلع میرپور خاص

نجم احمد ابن منیر احمد فیصل آباد

وجیہہ الدین احمد ابن نصیر الدین علی احمد ربوہ

اطلاعات و اعلانات

نمایاں کامیابی

○ محترمہ بیگم صاحبہ کرنل مرزا داؤد احمد صاحب اطلاع دیتی ہیں کہ مکرم کرنل مسعود الحسن نوری صاحب کے بیٹے مکرم خالد نوری نے ایف ایس سی کے امتحان میں ۹۱۱ نمبر لیکر حسن ابدال کالج اور راولپنڈی بورڈ میں تیسری پوزیشن حاصل کی ہے۔

آپ مکرم کرنل مرزا داؤد احمد صاحب کے نواسے حضرت سیدہ امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ کے پڑنواسے اور مکرم میجر منظور الحسن صاحب کے پوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے انہیں مزید کامیابیوں سے نوازے۔

درخواست دعا

○ فرزانہ داؤد اہلیہ مکرم داؤد احمد صاحب کاہلوں سیکرٹری جنرل تجنید دار العلوم جنوبی شدید بیمار ہیں۔ احباب کرام کی خدمت میں ان کی مکمل صحت یابی کے لئے درخواست دعا ہے۔

اعلان دار القضاء

(مکرم رشید احمد راشد صاحب بابت ترکہ مکرم شاہ محمد صاحب)

مکرم رشید احمد راشد نے درخواست دی ہے کہ ان کے والد محترم شاہ محمد صاحب بقضائے الٰہی وفات پاگئے ہیں جو مکان نمبر A۔11/16 محلہ دار النصر وسطی ربوہ میں رہائش پذیر تھے۔ ان کا پلاٹ قطعہ نمبر A۔11/16 دار النصر وسطی ربوہ میں میرے نام منتقل کردیا جائے۔ دیگر ورثاء کو کوئی اعتراض نہ ہے۔ ورثاء کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ مکرم محمود نصر اللہ صاحب (بیٹا)
۲۔ مکرم ظفر اللہ خان صاحب (بیٹا)
۳۔ مکرم سیف اللہ صاحب (بیٹا)
۴۔ مکرم رشید احمد صاحب راشد (بیٹا)
۵۔ محترمہ بشیراں بی بی صاحبہ (بیٹی)
۶۔ محترمہ رشیدہ بی بی صاحبہ (بیٹی)

بذریعہ اخبار اعلان کیا جاتا ہے کہ اگر کسی وارث یا غیر وارث کو اس انتقال پر کوئی اعتراض ہو تو تیس (۳۰) یوم کے اندر دار القضاء میں اطلاع دیں۔

(ناظم دار القضاء ربوہ)

بقیہ صا

تائید کرتے ہیں۔ اپنے ذاتی تعلقات' دوستیوں۔ اپنے رشتوں سب چیزوں کو بھلا کر اور محض خدا کے بندے ہو کر وہ ہمیشہ خدا کی جماعت کے نظام کی تائید میں اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

(از خطبہ ۹/اپریل ۱۹۹۳ء)

بقیہ : صہ ۵

عادت ہے۔ بلکہ اس لئے کہ یہ ان کی ضرورت ہے یا پھر اس کو دفاع کے طور پر استعمال کرتے ہیں صرف انسان ہی ایک ایسی ہستی ہے۔ جو بلا ضرورت اور بلاوجہ تھوکتی ہے۔ اور اس کے متعلق سوچتی بھی نہیں کہ دوسروں کو یہ بات کتنی تکلیف پہنچاتی ہے پھر یہ کہ دوسرے لوگوں کا قطعی خیال ہی نہ کیا جائے کہ انہیں اس سے کیا تکلیف پہنچتی ہے یہ بھی ایک ایسی صفت ہے جسے صرف انسانوں ہی کے ساتھ وابستہ کیا جا سکتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ دوسرے انسان کا وقار کوئی معنی ہی نہیں رکھتا۔ چونکہ یہ ایک ایسی بیماری ہے جس کا علاج ہی نہیں اس لئے میں مسٹر محسن الٰہی کی پیش کردہ تجویز کی تائید کرتا ہوں کہ ایسے لوگوں کو اپنے گلے میں ایک تھیلی ڈال لینی چاہئے جب بھی ضرورت پڑے اس تھیلی میں تھوک لیں یہ بات کرتے ہوئے مجھے ایک اور بیماری کا خیال آیا جو ہمارے ملک میں بہت زیادہ ہے وہ یہ کہ کھلی جگہوں میں لوگ پیشاب کرتے ہیں ان کے لئے کیا کیا جائے وہ پیشاب کرنے والے برتن اپنے ساتھ ساتھ اٹھائے پھریں۔

بقیہ : صہ ۳

انتظامات بھی کئے جا رہے ہیں بلکہ ایک جنریٹر تو پہنچ بھی چکا ہے اور ابھی دو اور جنریٹر بہت جلد لائے جائیں گے۔

جماعت احمدیہ کے امام حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے اخبار نویسوں کی ایک پارٹی کو (جو ربوہ دیکھنے کے لئے گئی تھی) بتایا کہ وہ اسے پاکستان میں ایک نمونے کا شہر بنانے کا ارادہ رکھتے ہیں جو امریکی طرز پر تعمیر کیا جائے گا۔ اس شہر میں صنعتی اداروں کے لئے بھی جگہ رکھی جائے گی جو شہری آبادی سے ذرا ہٹ کر ہوگی۔ توقع ہے کہ شہر کی تعمیر ایک سال کے اندر اندر ختم ہو جائے گی اور جماعت احمدیہ کا آئندہ سالانہ جلسہ جو اگلے دسمبر میں ہونے والا ہے۔ بھی ربوہ ہی میں منعقد کیا جائے گا"۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

خبریں

ربوہ: ۷- ستمبر- گرمی کا اثر باقی ہے- اگرچہ موسم بدل رہا ہے

○ حکومت نے ٹھوس گارنٹی کے بغیر قرضے دینے والوں کو سخت سزا دینے کا حکم دیا ہے- بینکوں اور مالیاتی اداروں کے قرضے دینے والے اعلیٰ افسروں کی فہرستیں فوری طور پر تیار کرنے کی ہدایت جاری کردی گئی ہے- مبینہ طور پر حکومت نے اس تجویز پر بھی غور کیا ہے کہ افسروں کی املاک فروخت کرکے قرضے وصول کئے جائیں- کاروباری طبقے سے تعلق رکھنے والے قرض خواروں کی جائیدادیں قرق کرنے کے لئے بھی ہنگامی اقدامات کا فیصلہ کرلیا گیا ہے-

○ نگران حکومت نے جو اقتصادی اصلاحات کی ہیں ان پر عمل در آمد کی صورت میں پاکستان کو عالمی اداروں عالمی بنک اور آئی ایم ایف سے ۴۵- ارب روپیہ قرضہ ملے گا- اگر کسی منتخب حکومت نے ان اصلاحات پر عمل نہ کیا تو قرضوں کی باقی اقساط روک لی جائیں گی-

○ چھ عرب ممالک نے اسرائیل کے ساتھ پی ایل او کے سمجھوتے کی حمایت کردی ہے- بی بی سی نے کہا ہے کہ شام کی طرف سے یہ حمایت حاصل نہیں ہوسکی- اگرچہ شام کے صدر کے ساتھ اپنی بات چیت کو مسٹر یاسر عرفات نے بہت اہم قرار دیا- اس سمجھوتے کے نتیجے میں اسرائیل اور پی ایل او ایک دوسرے کو تسلیم کر لیں گے-

○ لاہور میں یکم سے ۱۰- اکتوبر تک فوج گشت کرے گی- گڑبڑ پھیلانے والوں کو موقع پر گرفتار کیا جائے گا-

○ پاکستان مسلم لیگ نواز گروپ کے سربراہ میاں نواز شریف نے کہا ہے کہ بیرونی دشمنوں سے پہلے ہمیں اندرونی دشمنوں سے نبٹنا ہوگا- میں نے اقتدار کی قربانی دیکر پاکستان کے خلاف سازش ناکام بنادی- انہوں نے کہا کہ سیاسی تیموں کو ایسی شکست ہوگی کہ وہ دوبارہ سیاست میں آنے کی جرات نہیں کرسکیں گے- میاں نواز شریف چھ ستمبر کو شہدائے جنگ ستمبر کی یادگاروں پر گئے اور پھول چڑھائے-

○ محترمہ بے نظیر بھٹو نے کہا ہے کہ سندھ سے پیپلز پارٹی کے خاتمے کے دعوئ کرنے والے دن کو خواب دیکھ رہے ہیں انہوں نے کہا کہ ملوں کے مزدوروں کو معقول معاوضہ ادا نہ کرنے والے قوم کو کیا حقوق دیں گے- انہوں نے کہا کہ اپنے مفاد کے لئے چمک استعمال کرنے والے غریب کے چہرے کی دمک سے نا آشنا ہیں-

○ ملک بھر میں ۶ ستمبر کو یوم دفاع پاکستان شایان شان طریق سے منایا گیا- ملک میں عام تعطیل رہی- ریڈیو ٹی وی اور اخبارات نے خصوصی ایڈیشن شائع کئے- خاص تقریبات منعقد کی گئیں- شہداء کی یادگاروں پر پھول چڑھائے گئے- فوجی اڈوں پر خصوصی میلے منعقد کئے گئے- فوجی جوانوں نے اپنے فوجی مہارت کے مظاہرے کئے-

○ ملک میں نج کاری میں دھاندلیوں کی تحقیقات کا حکم دے دیا گیا ہے- وزیراعظم نے یہ حکم ان شکایات کی روشنی میں دیا ہے کہ سیمنٹ بعض دوسرے کارخانے اور بنک صرف ایک خاندان کو فروخت کردئے گئے جس نے فوراً سیمنٹ کی قیمتوں میں من مانا اضافہ کر دیا- بعض یونٹ اتنی کم قیمت پر دئے گئے کہ صرف زمین کی قیمت ہی اس سے زیادہ تھی-

○ مختلف سیاسی جماعتوں کو بدھ تک انتخابی نشان الاٹ کر دئے جائیں گے- آزاد امیدواروں کو متعلقہ ریٹرننگ آفیسر یہ نشانات الاٹ کریں گے-

○ مرتضیٰ بھٹو کی اہلیہ غنویٰ بھٹو واپس چلی گئی ہیں انہوں نے کہا کہ بے نظیر سے میری ملاقات نہیں ہوسکی- نصرت بھٹو نے بہت محبت اور شفقت دی ہے- انہوں نے کہا کہ وہ مرتضیٰ کی تقریروں کے کیسٹ لیکر پاکستان واپس آئیں گی- ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ جسے عوام چاہیں گے وہی پیپلز پارٹی کی قیادت کرے گا-

○ مسلم لیگ نواز گروپ نے غلام مصطفیٰ جتوئی کی پارٹی این پی پی سے انتخابی اتحاد کرنے کی تجویز مسترد کردی ہے-

○ مرتضیٰ بھٹو نے انتخابات سے قبل پاکستان آنے کا ارادہ ملتوی کردیا-

جرمن ہومیوپیتھک ادویات

مدر ٹنکچرز پوٹنسیاں اور بائیوکیمک کی تمام ادویات خالی شیشیوں کے علاوہ اور ہر قسم کی ٹکیاں اور گولیاں بھی دستیاب ہیں-

شوگر آف ملک اور پاکستانی ادویات بھی دستیاب ہیں-

کیور- ٹو میڈیسن (ڈاکٹر راجہ ہومیو) کمپنی رجسٹرڈ

گول بازار- ربوہ پاکستان- فون آفس 771 کلوننگ 606